۲۸

موجودہ جنگ میں حکومت برطانیہ سے تعاون کرنے کے متعلق بعض شُبہات کا ازالہ

(فرمودہ ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''دوستوں کو معلوم ہے کہ گزشتہ چند دنوں سے ''الفضل'' میں میری طرف سے ایک اعلان ٹیریٹوریل فوج میں جماعت کے نوجوانوں کی بھرتی کے متعلق شائع ہو رہا ہے۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ جماعت کے نوجوانوں میں فوجی کام کی طرف سے بددلی پائی جاتی ہے اور وہ اس کام میں حصّہ لینے سے جی چُراتے ہیں لیکن اس اعلان کے بعد جماعت میں جو اس کے جواب میں رَو چلی ہے وہ یا تو اس خیال کی تردید کرتی ہے اور یا پھر اس اعلان کے اثر کے ماتحت جماعت میں یہ بیداری پیدا ہوئی ہے۔ بہرحال سینکڑوں نوجوانوں نے اِس خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے اور بہت سے نوجوان ابھی تک اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں۔

اس خدمت میں جو فوائد ہیں وہ عام طور پر ہماری جماعت کی نگاہوں سے مخفی ہیں۔ اس لئے کہ ہماری جماعت ایک تبلیغی جماعت ہے اور فوجی قسم کے کام اس کے سامنے نہیں آتے لیکن ایک ایسی قوم جس کے متعلق یہ مقدّر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک دن ساری دُنیا کی حکومتیں سونپ دینی ہیں وہ اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتی اور جب تک اُسے ابھی سے ایک خاص رنگ

کی ٹریننگ نہ دی جائے وہ وقت پر کام کی اہل ثابت نہیں ہوسکتی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ گو ہمارے پاس حکومت نہیں اور نہ ہمارے پاس ایسے سامان ہیں جن سے کام لے کر ہم اپنے نوجوانوں کو فوجی تعلیم دلوا سکیں۔ پھر بھی اس نے ایسے سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ ہماری جماعت کے نوجوان آسانی سے فوجی کام سیکھ سکتے ہیں اور اس طرح جرأت اور بہادری کی روح ان میں قائم رہ سکتی ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ جس دن تمہیں حکومتیں ملیں گی اُس دن شام کو تو تم ایسی حالت میں سوؤ گے کہ تم مولوی ہو گے اور صبح اُٹھو گے تو تم جرنیل بنے ہوئے ہو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سُنت اور اس کے طریق کے بالکل خلاف ہے اگر تم شام کو کرنیل ہونے کی حیثیت میں سوؤ گے تو تمہارے متعلق یہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ جب تم صبح اُٹھو تو تم جرنیل بنا دیئے جاؤ۔ یا ایک شخص شام کو سپاہی کی حیثیت میں سوئے اور صبح اُٹھے تو نائک بنا دیا جائے لیکن یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ شام کو تو تم ایسی حالت میں سوؤ کہ تم فوجی کاموں میں بالکل بے تعلق ہو اور صبح تمہیں تمام علوم و فنون اور فوجی طور طریق آ جائیں۔ پس ہمیں جو بھی جائز ذرائع فوجی تربیت اور فوجی کاموں سے دلچسپی کے میسر آئیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان سے فائدہ اُٹھائیں تا کہ ہمارے اندر فوجی روح قائم رہے اور روز بروز اِس میں اضافہ ہوتا چلا جائے بلکہ مَیں سمجھتا ہوں ایک زندہ قوم کو خواہ کوئی ذاتی دلچسپی نہ ہو پھر بھی اس کا فرض ہے کہ وہ فوجی کاموں میں مہارت حاصل کرے۔

مَیں نے دلائل سے اِس بات کو ثابت کیا ہے کہ موجودہ جنگ سے ہمارا ذاتی تعلق بھی ہے اور ہم صرف انگریزوں کے مفاد کے لئے اپنا تعاون پیش نہیں کر رہے بلکہ اپنے مفاد کے لئے اِس خدمت کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر موجودہ حالات میں تبدیلی ہوئی تو اسلام اور احمدیت کو اِس سے ضُعف پہنچے گا لیکن مَیں کہتا ہوں اگر ہمارا ذاتی مفاد کوئی بھی نہ ہو اور کہیں بھی جنگ ہو رہی ہو اور ہم اِس میں شریک ہو کر فوجی تربیت حاصل کر سکتے ہوں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم وہاں جائیں اور فوجی ٹریننگ حاصل کریں۔ دیکھو بیدار قوموں میں اِس کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے۔ سپین میں جنگ ہوئی تو اٹلی اور جرمنی نے خوب والنٹیئر جمع کر کے وہاں بھیجے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ سپین کی جنگ میں دس ہزار سے زیادہ جرمن مارا گیا

اور اندازہ کرنے والے کہتے ہیں کہ سپین کی جنگ میں اسّی ہزار کے قریب اٹلی والے مارے گئے لیکن انہوں نے اِس بات کی کوئی پروہ نہیں کی۔ حالانکہ وہ جنگ ان کی جنگ نہیں تھی بلکہ سپین کے دو طبقے آپس میں لڑ رہے تھے اور اس کی وجہ جیسا کہ بڑے بڑے مبصرین اور مدبرین نے بیان کیا ہے یہی ہے کہ نئے جرمنی کو جنگ کی عملی تربیت کا کوئی موقع نہیں مِلا تھا۔ جرمن قیصروں کے زمانہ میں ہمیشہ لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں مگر بڑی جنگ کے بعد جب جرمن قوم کو ماتحت کر دیا گیا جنگی سامان اس سے لے لئے گئے اور اُس کی فوج کو محدود کر دیا گیا اُسے عملی رنگ میں کسی جنگ میں شامل ہونے کا موقع نہیں مِلا تھا۔ پس اُنہوں نے ضروری سمجھا کہ سپین میں جو جنگ ہو رہی ہے اس میں ہم اپنے والنٹیئروں کو بھیج دیں تاکہ انہیں فوجی ٹریننگ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ وہ اِس میں شریک ہوئے اور لڑے مگر بہرحال سپین کی جنگ میں ان کی کوئی ذاتی غرض نہیں تھی۔ سپین میں وہ کسی مالی فائدہ کے لئے نہیں لڑے اُنہوں نے کوئی تجارتی فائدہ حاصل نہیں کیا اُنہوں نے ایک انچ زمین تک نہیں لی۔ اُدھر لڑائی ختم ہوئی اور ادھر وہ اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ ان کی غرض صرف اتنی تھی کہ نوجوانوں کی عملی تربیت ہو جائے۔ چنانچہ اب وہ اس ٹریننگ سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور اس جنگ میں ان کے پرانے تجربہ کار جرنیل بہت کم ہیں مگر وہ نوجوان جنہوں نے سپین کی جنگ سے تجربہ حاصل کیا وہ زیادہ ہیں اور وہی کام کر رہے ہیں۔ پس گو بظاہر اس وقت یہی نظر آتا تھا کہ حکومت جرمنی نے بِلا وجہ اپنے ہزاروں آدمیوں کو مروا ڈالا مگر آج اسی کے نتیجہ میں ہزارہا جرمن عملی تربیت حاصل کر کے موجودہ جنگ میں کام کر رہا اور قوم کے لئے مُفید ثابت ہو رہا ہے۔

تو بڑھنے والی قوموں کے لئے یہ لازمی اور ضروری ہوتا ہے کہ وہ فوجی کاموں میں حصّہ لیں جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دُنیا میں دائمی امن ہو سکتا ہے وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ دنیا میں نہ کبھی دائمی امن پہلے ہوُا اور نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اختلاف ہمیشہ رہے اور ہمیشہ رہیں گے اور قرآن کریم سے یہ امر واضح طور پر ثابت ہے۔ پس خواہ دُنیا کتنی ہی تدبیر کرے کامل امن اور ہمیشہ کا امن کبھی میسّر نہیں آ سکتا اور اگر کامل امن اور ہمیشہ کا امن دُنیا میں حاصل نہیں ہو سکتا یہ چیز اللہ تعالیٰ نے صرف اگلے جہان کے لئے ہی مخصوص کی ہوئی ہے تو یہ امر ضروری ہوُا کہ

ہر قوم کے نوجوان جنگی تربیت حاصل کریں۔ اگر وہ جنگی تربیت حاصل نہیں کریں گے تو دوسری قوموں کے مقابلہ میں وہ کبھی ٹھہر نہیں سکیں گے۔ تو جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اگر اور کوئی فائدہ نہ بھی ہو تو بھی محض اِس وجہ سے کہ اس طرح جنگی تربیت حاصل کرنے کا ایک موقع مِل رہا ہے۔ ہمارے لئے اِس سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے اور جیسا کہ مَیں بتا چُکا ہوں ہماری جماعت کے سینکڑوں نوجوانوں نے شوق سے اس میں حصّہ لیا اور اپنے آپ کو اِس خدمت کے لئے پیش کر دیا ہے لیکن اِس بھرتی سے ہمیں ایک اور فائدہ بھی حاصل ہؤا ہے اور وہ یہ کہ ہماری توجّہ ایک اور اہم معاملہ کی طرف پھر گئی ہے۔ اگر یہ بھرتی کا موقع نہ آتا تو نہ معلوم وہ بات کب تک ہماری نظروں سے اوجھل رہتی۔

وہ بات یہ ہے کہ اس فوجی بھرتی کے نتیجہ میں یہ نہایت ہی افسوسناک امر ہمیں معلوم ہؤا ہے کہ احمدی نوجوانوں کی صحتیں خطرناک طور پر گری ہوئی ہیں۔ اگر بھرتی کا یہ موقع نہ ملتا تو شاید ہمیں اِس کا علم دیر تک نہ ہوتا۔ احمدی نوجوانوں کے وزن بِالعموم اس وزن سے کم ہیں جتنا وزن اس عمر میں نوجوانوں کا ہؤا کرتا ہے۔ احمدی نوجوانوں کی نظریں بالعموم ان نظروں سے کم ہیں جتنی نظریں اِس عمر میں نوجوانوں کی ہؤا کرتی ہیں اور احمدی نوجوانوں کی کمریں بالعموم اِس معیار سے بہت کمزور ہیں جتنی اِس عمر میں نوجوانوں کی کمروں میں طاقت ہؤا کرتی ہے اور یہ امر ایسا خطرناک ہے جس کی جتنی جلد اصلاح ممکن ہو اتنی ہی جلدی کرنی چاہیئے۔ پس اگر اِس فوجی تربیت میں شریک ہونے کے اعلان سے کوئی اور فائدہ نہ بھی ہو تب بھی اِس ذریعہ سے ہمیں یہ جو فائدہ حاصل ہؤا ہے یہ خود اپنی ذات میں بہت اہم ہے اور مَیں غور کر رہا ہوں کہ آئندہ نوجوانوں کے لئے ایسے قواعد تیار کئے جائیں جن کے نتیجہ میں ان کے تمام قویٰ کی حفاظت ہو اور جو اچھے بہادر اور تندرست نوجوان بنانے میں ہمارے مُمد ہوں۔ میرے نزدیک تمام نوجوانوں کا سالانہ معائنہ ہوتے رہنا چاہیئے تاکہ ان کی صحت میں اگر کوئی نقص واقع ہو تو اس کی فوری اصلاح کی جاسکے اور چاہے جنگی بھرتی ہو یا نہ ہو جن ذرائع سے بھی ان نقصوں کی اصلاح ہوسکتی ہو اُن ذرائع کو کام میں لانا چاہیئے۔

غرض ایک تو ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ آئندہ نسل میں یہ نقص پیدا ہی نہ ہو اور

دوسری طرف ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ جن میں نقائص ہیں اُن سے نقائص کو دُور کر دیا جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس قسم کے کرتبوں کی طرف جن سے صحت پیدا ہوتی ہے ہمیشہ توجّہ رکھتے تھے مگر ہمارے مُلک میں بھیڑ چال کی عادت ہے۔ مَیں نے پہلے بھی بارہا توجّہ دلائی ہے کہ ہمارا مُلک ایسی کھیلوں میں لگا رہتا ہے جو نہ تو صحت کو کوئی حقیقی فائدہ پہنچاتی ہیں اور نہ سارے نوجوان ان کھیلوں میں حصّہ لے سکتے ہیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی تک قادیان کے نوجوانوں نے بھی میری اِس نصیحت سے فائدہ نہیں اُٹھایا اور یورپ کی نقل ان میں بدستور قائم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یورپ میں چونکہ کرکٹ اور ہاکی کھیلی جاتی ہے اس لئے ہمیں بھی کرکٹ اور ہاکی ہی کھیلنی چاہئے اور وہ یہ نہیں جانتے کہ یورپ میں صرف ہاکی اور کرکٹ ہی نہیں کھیلی جاتی بلکہ وہ کھیلیں بھی وہاں کھیلی جاتی ہیں جن کے ذریعہ نوجوانوں میں طاقت پیدا ہوتی اوران کی صحت درست رہتی ہے۔ ہمارے نوجوان صرف کرکٹ اور ہاکی کھیلتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ صحت کے لئے تمام ضروری کھیلیں انہوں نے کھیل لیں حالانکہ کرکٹ اور ہاکی صحت کے لئے مفید نہیں بلکہ خالی ان پر قناعت کی جائے تو مُضِر ہیں اور یورپ میں بھی صرف کرکٹ اور ہاکی ہی کھیل نہیں سمجھے جاتے بلکہ ان میں اَور بھی کئی کھیلوں کا رواج ہے۔ مثلاً ان کو باکسنگ سکھایا جاتا ہے اور باکسنگ اتنی خطرناک چیز ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں سے سَو میں سے شاید ایک اسے برداشت کر سکے۔ دو نوجوانوں کو آمنے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے اور انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ بے دردی سے ایک دوسرے کو مُکّے ماریں۔ اب ذرا سکول میں یہ کھیل تو کرا کر دیکھو۔ دوسرے ہی دن لڑکوں کے والدین شور مچا دیں گے کہ ہم اپنے بچوں کو اس سکول سے نکالتے ہیں۔ ہم نے استاد سمجھ کر لڑکوں کو ان کے پاس بھیجا تھا نہ کہ قصّاب سمجھ کر۔ مگر انگلستان میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوان باکسنگ جانتے ہیں اور جسے باکسنگ آتا ہو وہ اکیلا اگر دس بیس کے نرغہ میں پھنس جائے تو وہ بغیر سوٹی کے، بغیر تلوار کے، بغیر کسی ہتھیار کے محض ہاتھوں کے ذریعہ ان سب کو زخمی کر دے گا اور خود بچ جائے گا۔ باکسنگ دراصل پُرانے زمانہ کا ایک قسم کا گتکا ہے۔ اِسی طرح اَور کئی ورزشیں ہیں جن میں سے بعض ہمارے ہاں بھی سکولوں میں مقرر ہیں مگر ان کی طرف توجّہ نہیں کی جاتی۔ زیادہ تر انہیں یہی خیال رہتا ہے کہ ہاکی کے میچ کھیلے جائیں اور

کپ جیتا جائے حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ گو ہاکی جیت کر وہ کپ لا رہے ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی اپنی صحت کو بھی کھو رہے ہوتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں پی ٹی ہے یہ ہمارے ہاں بھی ہے مگر یہ فزیکل ٹریننگ اتنی بے توجّہی سے ہوتی ہے کہ اس کا جو فائدہ ہے وہ لڑکوں کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ بِالعموم سمجھا جاتا ہے کہ فزیکل ٹریننگ محض قانون کو پورا کرنے کے لئے ہے حالانکہ فزیکل ٹریننگ ہی صحت کو درست کرنے والی ہے۔ کرکٹ اور ہاکی صحت کو درست کرنے والی چیزیں نہیں۔ اسی طرح پُرانے زمانہ میں ہوری زنٹل بار پر مختلف قسم کی کھیلیں کھیلی جاتی تھیں اور وہ صحت کے لئے بے حد مُفید ہوتی تھیں مگر اب ان کی طرف بھی کوئی خاص توجّہ نہیں رہی۔

اِسی طرح اونچی چھلانگیں لگانا، لمبی چھلانگیں لگانا، گولہ پھینکنا، تیرنا اور رسّہ کشی وغیرہ نہایت مفید کھیلیں ہیں۔ مگر اب یہ تمام کھیلیں ایک ایک کر کے مفقود ہو رہی ہیں۔ یہاں کے نوجوانوں کی رسّہ کشی میں نے خود بھی دیکھی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا بالکل اناڑی ہیں۔ جب کوئی میچ مقرر ہوًا تو پندرہ دن پہلے اندر سے رسّہ نکالا اُس کی مَیل جھاڑی اور چند دن لڑکوں کو رسّہ کشی کی مشق کرا دی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چونکہ رسّہ کشی کا صحیح طریق انہیں آتا نہیں اِس لئے جب وہ رسّہ کھینچا جاتا ہے تو ایک کی ٹانگ اُدھر جارہی ہوتی ہے اور دوسرے کا سر اِدھر جھُکا ہوًا ہوتا ہے۔ پھر جو دو فریق ہوتے ہیں ان میں سے ایک نے تو دس بارہ دن مشق کی ہوئی ہوتی ہے اور دوسرے نے پانچ سات دن۔ اس لئے دس بارہ دن مشق کرنے والا فریق جیت جاتا ہے اور واہ واہ کا شور مچ جاتا ہے حالانکہ رسّہ کشی میں وہ بھی اناڑی ہوتا ہے۔

اب بھلا ایسے نوجوانوں کی صحت کس طرح درست رہ سکتی ہے جو فزیکل ٹریننگ میں تو حصّہ نہ لیں اور ہاکی اور کرکٹ ہی کھیلتے رہیں۔ پس ہاکی اور کرکٹ کو صحت کے لئے کافی سمجھنا انتہائی غلطی ہے۔ ہاکی قطعی طور پر صحت پر اچھا اثر پیدا نہیں کرتی بلکہ مُضِر اثر پیدا کرتی ہے۔ ہاکی میں ہاتھ جُڑے رہتے ہیں اور سانس سینہ میں پھولتا نہیں اور اس طرح باوجود کھیلنے کے سینہ چوڑا نہیں ہوتا مگر پی ٹی سے جسم مضبوط ہوتا ہے کمر طاقتور ہوتی ہے، سینہ چوڑا ہوتا ہے اور سانس پیٹ میں اچھی طرح سمانے کی مشق ہوتی ہے جو صحت کی درستی کے لئے ضروری ہے۔ اِسی طرح دوڑنا،

کُودنا، چھلانگیں لگانا، بوجھ اُٹھانا، گولہ پھینکنا ایسی کھیلیں ہیں جو نہ صرف صحت کے لئے مُفید ہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی میں کام آنے والی ہیں مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ صحت کے لئے جو مُفید ورزشیں ہیں ان کی طرف ہماری جماعت کے نوجوانوں کی توجّہ بہت کم ہے اور جو کھیلیں صحت کے لئے مُضر ہیں ان کی طرف بہت توجّہ ہے۔ پھر پی ٹی میں مُلک کے سارے نوجوان حصّہ لے سکتے ہیں مگر کرکٹ میں غریب لڑکے حصّہ نہیں لے سکتے۔ کرکٹ پر ماہوار ہر کھلاڑی کا ایک دو روپیہ خرچ آ جاتا ہے اور اتنا خرچ تو غرباء اپنی تعلیم کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے کھیلوں کے لئے وہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں۔ ہمارے مُلک کا ہزارہا لڑکا سکول سے محض اِس لئے اُٹھالیا جاتا ہے کہ اُن کے والدین دو آنے یا چار آنے ماہوار فیس دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس جبکہ وہ دو آنے یا چار آنے ماہوار فیس نہیں دے سکتے تو وہ روپیہ دو روپیہ تک کرکٹ کے لئے کس طرح خرچ کر سکتے ہیں۔ اگر کرکٹ کو صحیح طور پر کھیلا جائے تو بال روزانہ بدلنا پڑتا ہے پھر بیٹ نہایت قیمتی ہوتا ہے۔ اِسی طرح کرکٹ کے لئے فیلڈ کی ضرورت ہوتی ہے اگر کرکٹ کھیلنے والوں کو کچھ ایڈ بھی مل جائے تو بھی پچیس تیس چالیس روپے انہیں اپنے پاس سے ماہوار خرچ کرنے پڑتے ہیں اور اس طرح ڈیڑھ دو روپیہ ماہوار ہر لڑکے کو اپنے پاس سے دینا پڑتا ہے مگر پی ٹی میں کسی کا کیا خرچ آتا ہے۔ ہاتھ اونچا کرو، ہاتھ نیچا کرو، کمر نیچی کرو، کمر اوپر کرو، پاؤں آگے کرو، پاؤں پیچھے کرو۔ بتاؤ کیا غریب سے غریب زمیندار بھی ایسا ہے جو اس میں حصّہ نہ لے سکے۔ پس اگر ان ورزشوں کو جاری کیا جائے تو ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اور غریب سے غریب آدمی جسے کُرتہ بھی میسر نہیں ہے تہہ بند بھی میسر نہیں اور جو صرف ایک لنگوٹی پہنے پھرتا ہے وہ بھی ان میں شریک ہوسکتا اور اپنی صحت کو درست کرسکتا ہے مگر تمہاری کرکٹ اور تمہاری ہاکی میں وہ کس طرح شریک ہوسکتا ہے۔ یہ تو امیروں کی کھیلیں ہیں جو انہوں نے اس لئے جاری کی تھیں کہ غریب الگ رہیں اور وہ الگ۔ اگر وہ کھیل میں ہمارے ساتھ شامل ہو گئے تو اس سے ہماری عزت میں فرق پڑ جائے گا۔ اُنہوں نے ہی اس قسم کی کھیلوں کو رواج دیا۔ پس یہ ایسی کھیلیں نہیں جنہیں کھیلا جائے صرف فزیکل ٹریننگ ہی ایسی چیز ہے جو مُفید ہے اور جس میں امیر و غریب دونوں حصہ لے سکتے ہیں۔ پُرانے زمانوں میں مُگدر رہوا کرتے تھے۔

گاؤں میں کسی ایک مقام پر وہ پڑے رہتے اور جو آتا وہ مُگدر پھیر کر اور چند منٹ ورزش کر کے چلا جاتا اور کسی کا اِس میں کچھ بھی خرچ نہیں آتا تھا یا مثلاً بیٹھکیں نکالنا ہے۔ اب اس اُٹھک بیٹھک پر کسی کا کیا خرچ آتا ہے یا ڈنٹر نکالنے میں ان کا کیا خرچ ہوسکتا ہے؟ کچھ بھی خرچ نہیں ہوتا اور پھر مزید فائدہ یہ ہے کہ ہر شخص ان میں حصّہ لے سکتا ہے لیکن کرکٹ اور ہاکی میں سارا مُلک نہیں، آدھا مُلک نہیں، چوتھا حصّہ مُلک کا نہیں بلکہ مُلک کا دسواں حصّہ بھی شامل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ایک دفعہ حساب کر کے مَیں نے بتایا تھا کہ اگر کرکٹ، ہاکی اور فٹ بال کے لئے تمام مُلک کی ضرورت کو مدّنظر رکھتے ہوئے فیلڈز بنا دی جائیں تو زراعت کے لئے بہت ہی تھوڑی جگہ رہ جائے اور پھر لوگ کرکٹ کے بال اور وکٹیں کھایا کریں، روٹی اور غلّہ انہیں نہ ملے تو چند محدود نوجوانوں میں ہی یہ کھیلیں جاری ہوسکتی ہیں سارے مُلک میں نہیں اور پھر باوجود ایسی کھیلیں کھیلنے کے نتیجہ ظاہر ہے۔ کرکٹ اور ہاکی کھیلنے کے باوجود ہماری جماعت کے نوجوانوں کے جسم مضبوط نہیں ہوسکے اگر فزیکل ٹریننگ سے وہ اپنے اندر طاقت پیدا کرتے، اگر رسّہ کشی کرنا، گولہ پھینکنا، کودنا، تیرنا اور چھلانگیں لگانا وہ اپنے لئے ضروری سمجھتے تو آج ان کی جسمانی حالت بالکل اَور ہوتی کیونکہ انہی کھیلوں سے وہ طاقتیں پیدا ہوتی ہیں جو آئندہ زندگی میں کام آیا کرتی ہیں۔ چونکہ ہماری جماعت کے نوجوانوں نے اس امر کی طرف توجّہ نہیں کی تھی اس لئے آج باوجود اس بات کے کہ ان میں جوش ہے، ان میں اخلاص ہے ان میں ولولہ اور ہمت ہے۔ جب وہ آگے آتے اور فوجی ٹریننگ کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں تو ڈاکٹری معائنہ کے بعد انہیں کہہ دیا جاتا ہے کہ تم فوجی خدمت کے قابل نہیں۔ صحت کا یہ معیار اس قدر گرا ہؤا ہے کہ ہماری جماعت کے سو نوجوان پیش ہوتے ہیں اور ان سَو میں سے افسرانِ متعلقہ صرف دس کا انتخاب کرتے ہیں۔ اسی طرح کچھ عرصہ ہؤا کئی سو نوجوانوں میں سے افسروں نے بائیس نوجوانوں کو چُنا اور اُن بائیس میں سے بھی صرف پانچ منظور ہوئے۔ یہ حالات جو ظاہر ہوئے ہیں اُنہوں نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں اور ثابت کر دیا ہے کہ مَیں نے آج سے دو سال پہلے مغربی کھیلوں کی بجائے دیسی کھیلیں جاری کرنے کی جو تحریک شروع کی تھی وہ نہایت ہی باموقع اور برمحل تھی مگر افسوس ہے کہ ہماری جماعت نے اس کی طرف توجّہ نہ کی جس کا خراب نتیجہ اب

نظر آرہا ہے۔ یہ سوال جانے دو کہ آج انگریزی فوج میں بھرتی ہورہی ہے۔ فرض کرو کل احمدی حکومت ہو اور اس کی حفاظت کے لئے نوجوانوں کی ضرورت ہو تو اس وقت کون سے نوجوان کام آئیں گے؟ آخر لُولے، لنگڑے تو احمدی فوج میں بھرتی نہیں ہوں گے۔ بھرتی کے لئے تو صرف وہی لئے جائیں گے جو کام کے قابل ہوں گے مگر وہ نوجوان آئیں گے کہاں سے۔ جب ہماری صحتیں گری ہوئی ہوں گی اس وقت تو صرف دل میں کڑھنے والی بات رہ جائے گی جیسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک جنگ کے لئے جارہے تھے تو آپ نے صحابہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا تم لوگ کوئی تکلیف نہیں اُٹھا رہے مگر اس کا ثواب جس طرح تمہیں مل رہا ہے اسی طرح مدینہ کے بعض ان لوگوں کو بھی مل رہا ہے جو اس وقت اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ! یہ کیا ہؤا کہ تکلیف تو ہم اُٹھائیں اور ثواب میں وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوجائیں۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ وہ نادار اور کمزور اور ضعیف اور لُولے، لنگڑے ہیں جو جنگ میں شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے مگر اُن کے دل اِس حسرت سے جل رہے ہیں کہ کاش ہمیں طاقت ہوتی اور ہم بھی اس جہاد میں شریک ہوتے۔[1] پس اس قسم کا ثواب بے شک معذور احمدیوں کو بھی مل جائے گا مگر اس ثواب کے ساتھ عذاب بھی ہوتا ہے اور انسان کے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ افسوس وہ خدا تعالیٰ کے دین کے کام نہ آسکا۔ گویا یہ ثواب اس عذاب کے نتیجہ میں ملتا ہے جو انسان کے دل کو ہوتا ہے اور گو اللہ تعالیٰ کے حضور وہ ثواب کا مستحق ہوجائے مگر قوم اور مُلک کے لئے وہ مُفید ثابت نہیں ہوسکتا۔ پس اس قسم کے نوجوان اگر ہماری جماعت میں ہوئے تو بجائے مُلکی اور مذہبی خدمات سرانجام دینے کے وقت آنے پر وہ دل میں کُڑھیں گے اور کہیں گے کاش ہماری نظر اچھی ہوتی، کاش ہمارے ہاتھوں میں طاقت ہوتی، کاش ہماری کمر مضبوط ہوتی اور ہم بھی خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے مُلکی خدمات کی خاطر اپنے آپ کو پیش کرسکتے۔ مگر اس میں قصور کسی اَور کا نہیں بلکہ خود ان کا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے ہی اس قسم کی طاقتیں پیدا کرنے سے بے اعتنائی کی ہوگی۔ مَیں نے خدّام الاحمدیہ کو بھی اِس امر کی طرف توجّہ دلائی تھی اور انہیں نصیحت کی تھی کہ وہ اس قسم کی کھیلیں نوجوانوں میں رائج کریں مگر انہوں نے بھی اِس طرف کوئی توجّہ نہیں کی۔ حالانکہ ادھر بہت زیادہ توجّہ کی ضرورت ہے۔

پھر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے یہ بھی ضروری ہے کہ نوجوانوں کا باقاعدہ معائنہ ہوتا رہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ نوجوانوں کی صحت کی ترقی کی کیا رفتار ہے اور کس حد تک ہمیں اپنی کوششوں میں کامیابی ہو رہی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں اگر ہم تھوڑی سی بھی توجّہ کریں تو نوجوانوں کی صحت پہلے سے بہت زیادہ اچھی ہو سکتی ہے اور صحت کی درستی کے ساتھ اخلاق بھی درست ہوتے ہیں۔ جب کسی شخص کی صحت خراب ہو جاتی ہے تو اس کے اندر چڑ چڑا پن پیدا ہو جاتا ہے اور وہ سُست اور کاہل رہنے لگ جاتا ہے۔ اِسی سُستی اور کاہلی کی وجہ سے رفتہ رفتہ وہ نمازوں میں سُست ہو جاتا ہے۔ پہلے اس کی ایک نماز باجماعت جاتی ہے، پھر دو نمازیں رہ جاتی ہیں، پھر تین نمازیں رہ جاتی ہیں، پھر چار اور پھر پانچوں نمازیں ہی باجماعت پڑھنے سے وہ رہ جاتا ہے اور گھر پر نماز پڑھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ گھر پر بھی نمازوں میں ناغہ ہونے لگتا ہے اور آخر نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ وہ نماز کو بالکل چھوڑ بیٹھتا ہے جو دراصل صحت کی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے مگر شروع صحت کی خرابی سے ہوتا ہے اور انجام بے ایمانی نکلتا ہے۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ محض سُستی کر رہا ہے بیمار نہیں حالانکہ وہ بیمار ہوتا ہے مگر چونکہ ہڈی یا جسم کو اوپر سے دیکھ کر کسی کی بیماری کا پتہ نہیں لگ سکتا اِس لئے عام لوگ دوسروں کی بیماری کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔ حضرت خلیفۃ اوّل فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ باتوں باتوں میں مَیں نے مولوی عبدالکریم صاحب سے کہا کہ ہمارے مُلک میں خوبصورت آدمی کوئی نہیں ہوتا۔ مولوی عبدالکریم صاحب کہنے لگے یہ بالکل غلط بات ہے ہمارے مُلک میں بڑے بڑے خوبصورت لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر خوبصورتی کے یہ معنے ہیں کہ رنگ گورا ہو، چہرہ خوب چمکتا ہو، آنکھ ناک کا نقشہ اچھا ہو تو اس قسم کے خوبصورت کئی لوگ مل جائیں گے مگر مَیں تو اسے خوبصورت سمجھتا ہوں جس کی تندرستی سلامت ہو وہ کہنے لگے اچھا تو آپ کے نزدیک کوئی تندرست ہے ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا میرے نزدیک تو بہت کم ایسے لوگ ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک کوئی ایسا شخص قادیان میں ہے تو بتائیے۔ اُنہوں نے قادیان میں سے دو آدمی چُنے اور کہا دیکھئے یہ کیسے خوبصورت ہیں وہ دونوں ایسے تھے کہ بظاہر بڑے تندرست تھے، رنگ سفید تھا اور ان کا چہرہ خوب چمکتا تھا۔ اس وقت دوسرا شخص تو موجود نہیں تھا اتفاقاً ایک سامنے ہی تھا۔ حضرت خلیفۃ اوّل نے اُسے بُلایا اور کہا

ذرا ادھر تو آؤ۔ وہ آیا تو آپ نے فرمایا ذرا اپنے سینہ سے کُرتہ جو اُٹھاؤ اُس نے کُرتہ جو اُٹھایا تو اُس کے سینہ کی تمام ہڈیاں ٹیڑھی نظر آئیں۔ اُسے رِکٹس (RICKETS) کا مرض تھا جس کی وجہ سے اُس کے سینہ کی ہڈیاں ٹیڑھی تھیں مگر مُنہ پر اس کا چونکہ کوئی اثر نہیں ہوتا اِس لئے مُنہ اس کا خوبصورت تھا۔ مولوی عبدالکریم صاحب بڑے نازک مزاج تھے اُنہوں نے جب اس کا سینہ دیکھا تو لاحَولَ پڑھنے لگے اور فرمانے لگے یہ تو بڑا بدصورت شخص ہے۔

تو اس تحریک سے ہمیں یہ ایک بہت بڑا فائدہ ہؤا ہے کہ ہمیں اپنے نوجوانوں کی کمزوریٔ صحت کا علم ہوگیا ہے اور ہم اگر چاہیں تو اس طرف توجہ کر کے اِس نقص کا بہت حد تک ازالہ کر سکتے ہیں۔

اِس کے بعد مَیں ایک اَور مضمون کے متعلق کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

مَیں نے پچھلے دنوں بعض خطبات پڑھے ہیں جن میں موجودہ جنگ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مَیں نے کہا تھا کہ باوجود اس بات کے کہ پنجاب کے بعض حُکّام سے ہمارا اختلاف رہا بلکہ اب بھی ہے اور باوجود اس کے کہ ہم اس اختلاف کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کر سکتے اور نہ ہم اسے بھُول سکتے ہیں اس وقت ایک ایسا خطرہ درپیش ہے کہ اس کی موجودگی میں ہمیں فی الحال اس جھگڑے کو بند کر دینا چاہیئے اور اس دُشمن کا متحدہ طور پر مقابلہ کرنا چاہیئے جو برطانیہ پر حملہ آور ہے کیونکہ اس کے کامیاب ہو جانے کی صورت میں اسلام اور احمدیت کے لئے سخت مُشکلات پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔

میرے اِن خطبات کے متعلق ایک خط قادیان سے ہوتا ہؤا مجھے سندھ میں ملا۔ وہ ایک احمدی نوجوان کا خط ہے اور لاہور سے آیا ہے۔ اِس خط میں اُس احمدی نوجوان نے لکھا ہے کہ آپ نے خطبات تو اس لئے پڑھے ہوں گے کہ انگریزی حکومت کی امداد کی جائے اور اس کی تائید اور حمایت کی جائے لیکن مجھ پر یہ اثر ہؤا ہے کہ ان خطبات کے نتیجہ میں مجھے انگریزوں سے اور بھی زیادہ نفرت ہوگئی ہے اور اُن کی تباہی کی خواہش میرے دل میں پہلے سے بھی بڑھ گئی ہے۔ وہ لکھتا ہے میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ نے یہ کس طرح کہہ دیا کہ اگر انگریزی حکومت نہ رہے تو مَیں موت کو اپنے لئے زیادہ پسند کروں گا۔ اِس سے تو انگریزوں کی دائمی غلامی کی

محبت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ آپ چاہتے ہیں کہ انگریز ہمیشہ حاکم رہیں اور ہم ہمیشہ ان کے غلام رہیں۔

مَیں نے وہ خطبات تو واقع میں اِسی لئے پڑھے تھے کہ انگریزوں کی امداد ہو لیکن اس نوجوان پر یہ اثر ہؤا ہے کہ وہ لکھتا ہے مجھے انگریزوں سے اَور بھی نفرت ہوگئی ہے کیونکہ ان خطبات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں کی دائمی غلامی ہمیں نصیب ہو جائے گی۔ مَیں اس کی پیش کردہ باتوں کا جواب تو آگے چل کر دوں گا مگر جب مَیں نے یہ خط پڑھا تو مَیں نے اپنے دل میں کہا چلو میرے خطبوں نے دونوں قوموں کو خوش کر دیا۔ ایک طرف انگریز خوش ہو گئے کہ مَیں نے اِس نازک موقع پر جماعت کو ان کی اعانت کی تحریک کی اور دوسری طرف کانگرس کے اکسٹریمسٹ (EXTREMIST) مسٹر بوس وغیرہ کو بھی میرا ممنون ہونا چاہئے کہ بعض لوگوں پر میرے ان خطبات کا یہ اثر ہؤا ہے کہ ان کے دلوں میں انگریزوں کی نفرت اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کہتے ہیں دو شکار ایک پتھر کے ساتھ۔ سو میرے ان دو خطبات نے دونوں کو شکار کرلیا۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا اب مَیں اصل مضمون کی طرف آتا ہوں۔

مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ لوگ افترا کرتے ہیں، جھوٹ باندھتے ہیں، غلط الزام لگاتے ہیں مگر وہ دُشمن ہوتے ہیں لیکن یہ اتہام ایک دوست نے لگایا ہے۔ اُس دوست نے جو احمدی ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ مَیں نے کبھی یہ کہا ہے کہ اگر انگریزی حکومت چلی جائے تو مَیں موت کو ترجیح دُوں گا یا یہ کہ انگریزوں کی حکومت ہمیشہ ہمیش قائم رہے اور ان کی دائمی غلامی دُنیا کو نصیب رہے۔ میرے خطبے چھپے ہوئے موجود ہیں اور اس دوست نے بھی چھپے ہوئے خطبے ہی پڑھے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ نہیں کہتے کہ مَیں نے آپ کو یہ کہتے سُنا بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ مَیں نے آپ کے خطبے چھپے ہوئے پڑھے۔ پس وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے کہا کچھ تھا پھر خطبہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اُسے بدل دیا۔ ان حالات میں مَیں حق رکھتا ہوں کہ اُن سے پوچھوں کہ وہ میرے الفاظ کیا ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کی دائمی غلامی مجھے محبوب ہے۔ یا یہ کہ اگر انگریزی حکومت نہ رہے تو مَیں موت کو پسند کروں گا۔ مَیں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ اگر انگریزی حکومت چلی جائے تو مَیں زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا یہ بالکل جھوٹ ہے۔ مَیں تو

اس بات کا قائل ہوں کہ انگریزی حکومت چھوڑ دُنیا میں سوائے احمدیوں کے اَور کسی کی حکومت نہیں رہے گی۔ پس جبکہ مَیں اس بات کا قائل ہوں بلکہ اس بات کا خواہشمند ہوں کہ دُنیا کی ساری حکومتیں مٹ جائیں اور اُن کی جگہ احمدی حکومتیں قائم ہو جائیں تو میرے متعلق یہ خیال کرنا کہ مَیں اپنی جماعت کے لوگوں کو انگریزوں کی دائمی غلامی کی تعلیم دیتا ہوں کہاں تک درست ہوسکتا ہے۔ پھر جس کی یہ خواہش ہو کہ دُنیا میں احمدی حکومت قائم ہو جائے اور احمدی حکومت کے سِوا اور کوئی حکومت نہ رہے۔ کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر انگریز چلے جائیں تو مَیں زندگی پر موت کو ترجیح دے دوں گا۔

پس یہ بالکل غلط بات ہے جو کہی گئی اور چونکہ یہ کہنے والا ایک احمدی ہے اِس لئے مَیں یہ تو نہیں کہتا کہ اس نے افترا کیا ہے مگر مَیں یہ ضرور کہوں گا کہ یہ بات جھوٹ ہے۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ خطبہ میں ایسے الفاظ ہیں کہ فلاں بات نہ ہو تو مَیں موت کو ترجیح دوں گا مگر یہ الفاظ نہیں کہ اگر انگریزی حکومت جاتی رہے تو مَیں زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا۔ میرے الفاظ کا مطلب یہ تھا کہ اگر ایسی حکومت جس میں تبلیغ کی آزادی ہے جاتی رہے اور اس کی بجائے کوئی ایسی حکومت آجائے جو تبلیغ کو بند کر دے اور دہریت اور الحاد کی رَو چلا دے تو مَیں چاہتا ہوں کہ اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے ہر احمدی مَر جائے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کہہ سکے کہ جب تک میں زندہ رہا مَیں نے تیرے نام کو نہیں چھپایا۔ میری موت کے بعد اگر کوئی ایسے حالات پیدا ہو گئے تو مجھے ان کا علم نہیں اور اِن الفاظ میں اور اُن الفاظ میں جو اس احمدی نے لکھے زمین وآسمان کا فرق ہے۔

میرے اس بیان پر جس کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے تین قسم کے اعتراض ہو سکتے ہیں۔

اوّل۔ معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ بیشک یہ صورتِ حالات پیدا ہو جائے ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ آپ کہتے ہیں مَیں ایسی حالت سے موت بہتر سمجھتا ہوں۔ سو آپ بے شک موت بہتر سمجھیں ہم ان حالات میں موت کو ترجیح نہیں دے سکتے اور نہ ہم اس صورت حالات کی پرواہ کر سکتے ہیں۔ اس اعتراض کو دوسرے الفاظ میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ دُنیا میں سے بے شک ایسی حکومتیں مٹ جائیں جو اپنی رعایا کو تبلیغ کی اجازت دیتی ہیں اور بیشک وہ حکومتیں

قائم ہو جائیں جو تبلیغ کو جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتیں مگر بتاؤ کیا کسی احمدی کے مُنہ سے یہ کلمات نکل سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اعتراض کیا ہوا؟ مَیں سمجھتا ہوں ہر احمدی بلکہ ہر وہ شخص جو کسی نہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہے ایک ساعت کے لئے بھی یہ کہنا تو الگ رہا یہ خیال کرنا بھی گناہ سمجھے گا کہ دُنیا سے وہ نظام تو مٹ جائے جس میں تبلیغ کی آسانیاں ہوں اور وہ نظام قائم ہو جائے جس میں تبلیغ پر پابندیاں ہوں اور یہ کہ اگر ایسا نظام قائم ہو جائے تو وہ اس کی کچھ پرواہ نہیں کریں گے۔ میرے نزدیک کسی مذہبی آدمی کے دل اور دماغ میں اس قسم کا خیال نہیں آ سکتا۔

دوسری صورت اعتراض کی یہ بنتی ہے کہ کوئی شخص کہے اس قسم کی کوئی تبدیلی ممکن ہی نہیں یہ محض ایک وہم ہے۔ ایسی کوئی تبدیلی ہو ہی نہیں سکتی۔ اِس اعتراض کی آگے دو صورتیں ہیں یا تو وہ یہ کہے کہ انگریز ہار ہی نہیں سکتے انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی طاقت اور قوت حاصل ہے کہ یہ کسی دشمن سے شکست نہیں کھا سکتے۔ اس صورت میں اعتراض یہ ہوگا کہ جب اِس قسم کا کوئی موقع آ ہی نہیں سکتا اور انگریزوں کا شکست کھانا بالکل ناممکنات میں سے ہے تو یہ کہنا کہ اگر یہ ہار جائیں اور ان کی جگہ کوئی اور ایسی حکومت آ جائے جو تبلیغ کی اجازت نہ دے تو مَیں زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا بے فائدہ ہے۔ گویا اس صورت میں تبلیغ کی آزادی کی اہمیت تو تسلیم کی جائے گی مگر ساتھ ہی کہا جائے گا کہ جب انگریز ہار ہی نہیں سکتے تو اس قسم کے خدشات پیدا کرنے کا کیا مطلب؟ مگر یہ بھی بالکل غلط ہے کیونکہ کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس کے ماتحت یہ یقینی طور پر کہا جا سکتا ہو کہ انگریزی حکومت ہار نہیں سکتی اور نہ خدا تعالیٰ کا کوئی ایسا وعدہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ انگریز ہمیشہ حُکمران رہیں گے۔ پس یہ صورت بھی درست نہ ہوئی۔ دوسری صورت اِس اعتراض کی یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جو حکومتیں انگریزوں کی جگہ لیں گی وہ مذہب پر تشدّد کرنے والی اور تبلیغ کو روکنے والی ہوں گی۔ بالکل ممکن ہے وہ انگریزوں سے بھی زیادہ تبلیغ کی آزادی تسلیم کرنے والی ہوں اور اس طرح ان کے ماتحت رہتے ہوئے مذہب پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ ہو۔ گویا اس صورت میں اعتراض یوں بنے گا کہ انگریز ہار تو سکتے ہیں مگر دوسری حکومتیں اتنی بُری نہیں جتنا بُرا آپ انہیں سمجھتے ہیں۔ وہ تبلیغ کی آزادی

دے دیں گی اور جو خدشہ پیش کیا جارہا ہے درست نہیں۔ اس اعتراض کا جائزہ لینے کے لئے ہم صورتِ حالات کو واقعات کے لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ اس وقت جنگی خطرہ سب سے بڑھ کر جرمنی کی طرف سے ہے جس کی پُشت پر روس ہے جس نے آہستہ آہستہ اب اپنے پاؤں نکالنے شروع کئے ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ان دونوں حکومتوں سے تبلیغ کے راستہ میں روک واقع ہوگی یا مذہبی آزادی پہلے سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔ مَیں اس مقابلہ میں سب سے پہلے جرمنی کو لیتا ہوں۔

ہر ہٹلر نے اپنی کتاب مائینے کامیف میں جس میں اس نے اپنی حکومت کے اصول واضح کئے ہیں لکھا ہے کہ جس قوم کا مرکز باہر ہو وہ جرمن حکومت کے ماتحت نہیں رہ سکتی۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ کیونکر برداشت کیا جا سکتا ہے کہ ایک قوم پر حکومت کرنے والے کسی اَور جگہ ہوں اور اس کو ماننے والے ہمارے پاس ہوں۔ اِس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہماری حکومت میں بعض لوگ رہتے ہوں مگر وہ دراصل ہمارے تابع فرمان نہ ہوں اور یہ امر قطعاً برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اب بتاؤ اس اصل کے ماتحت احمدیت کا جرمن حکومت کے ماتحت کہاں ٹھکانا ہے۔ احمدیت کا مرکز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قادیان مقرر فرمایا ہے۔ اب فرض کرو قادیان انگریزوں یا اٹلی کے ماتحت ہو اور دوسرے علاقے جن میں احمدی کثرت سے ہوں جرمن کے ماتحت ہوں تو یقیناً اس اصل کے ماتحت جرمن حکومت احمدیوں پر ظلم شروع کر دے گی اور اگر اس کے برخلاف قادیان جرمنی حکومت کے ماتحت چلا جائے تو اٹلی وغیرہ حکومتیں اپنے علاقوں میں احمدیت کو نہیں پھیلنے دیں گی۔ کیونکہ وہ بھی اِسی قسم کے اصول کی ماننے والی ہیں۔

دوسرا اصل جو پہلے سے بھی زیادہ خطرناک ہے یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے ہم کسی ایسے مذہب کو اپنے مُلک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے جس کے اقتصادی، تجارتی اور سوشل قوانین مذہب نے بنائے ہوں اور دراصل یہی وہ وجہ ہے جس کی بناء پر وہ یہودیوں کا سخت دُشمن ہے۔ وہ کہتا ہے یہ بات کسی طرح جائز تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ ایک مُلک کے متعلق دو قانون ساز ہستیاں ہوں۔ مَیں کچھ کہوں اور وہ وہ کچھ کہے۔ مَیں لوگوں کو کسی اَور شاہراہ پر چلانا چاہوں اور وہ اپنے مذہب کی مقرر کردہ شاہراہ پر چلیں مثلاً مَیں کہتا ہوں فلاں چیز کھاؤ اور

مذہب کہتا ہے وہ چیز نہ کھاؤ۔ تو اب یہ میری اور اس کی لڑائی ہے اور یہ لڑائی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ مَیں یہی چاہتا ہوں کہ جو کچھ مَیں کہوں وہی ہو نہ وہ جو کہ کسی کو اُس کا مذہب بتائے۔ پس اگر کسی مذہب کے اقتصادی، تجارتی اور تمدّنی قوانین مذہب نے بنائے ہوں تو اس مذہب کو ہم اپنے مُلک میں پھیلنے اور اس کے پیروؤں کو اپنے اندر بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہودیوں کا وہ اِسی لئے مخالف ہے کہ یہودیت نے تفصیل کے ساتھ تمدّن کے متعلق احکام دیئے ہیں اور کھانے پینے کے مسائل بیان کئے ہیں۔ انہیں ان کے مذہب نے کہا ہے کہ یہ کھاؤ اور وہ نہ کھاؤ، یوں کرو اور اُس طرح نہ کرو۔ اب یہودی جب اپنے مذہب کے احکام پر عمل کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے مَیں نہیں جانتا موسیٰ کون تھا اور اس نے کیا حُکم دیا۔ تمہیں وہی حُکم ماننا پڑے گا جو مَیں دے رہا ہوں۔ اس نے اسی ضمن میں عیسائیت پر بھی اعتراض کئے ہیں۔ بعض لوگ غلطی سے سمجھتے ہیں کہ ہٹلر عیسائیت کا دُشمن ہے حالانکہ ہٹلر عیسائیت کا دُشمن نہیں بلکہ وہ لکھتا ہے کہ اصل عیسائی میں ہی ہوں۔ باقی عیسائی تو انجیل پر عمل ہی نہیں کر رہے۔ وہ کہتا ہے انجیل میں تو صرف چند عقائد کی تعلیم ہے۔ اس نے شریعت کوئی تجویز نہیں کی لیکن اب کلیسیا لوگوں کے اعمال میں بھی دخل دینے لگ گیا ہے اور اس طرح اس نے سیاسیات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اس لئے حکومت مجبور ہے کہ کلیسیا کو پھر اس کی حد پر لا کر کھڑا کر دے۔ اب بتاؤ اسلام ایسے مُلک میں کہاں رہ سکتا اور کس طرح ترقی اور نشو نما پا سکتا ہے۔ اسلام نے تو یہودیت سے بھی بڑھ کر تفصیلی احکام اور حرام حلال کے مسائل بیان کئے ہیں۔ پس ایسی حکومت کے ماتحت رہنے کے یہ معنے ہیں کہ اسلام پر ہم عمل نہ کر سکیں۔ کیونکہ ہٹلر کا یہ قائم کردہ اصل ہے کہ حکومت کے ماتحت اسی قسم کی دو عملی برداشت نہیں ہو سکتی کہ مَیں کچھ کہوں اور بعض لوگ بجائے اس پر عمل کرنے کے یہ کہیں کہ ہمارے مذہب نے اس کے خلاف تعلیم دی ہے۔ فرض کرو کسی وقت جرمنی میں سخت قحط پڑتا ہے اور اس کی حکومت میں مسلمانوں کا بھی عنصر ہے اس علاقہ میں سؤر زیادہ ہوتے ہیں وہ حُکم دے دیتا ہے کہ سب لوگ سؤر کھائیں۔ اب ایک مسلمان تو یہ حُکم سنتے ہی کہہ دے گا کہ مَیں سؤر نہیں کھاتا۔ میرے مذہب نے منع کیا ہؤا ہے مگر وہ کہے گا تم عجیب احمق ہو۔ حکومت میری ہے یا تمہارے مذہب کی تمہیں میری بات ماننی پڑے گی اور ضرور سؤر ہی کھانا پڑے گا۔

یہود سے ہٹلر کی جو مخالفت ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہودی ایک ایسے مذہب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جو انسانی اعمال میں بھی اسی طرح دخل دیتا ہے جس طرح انسانی افکار میں۔ وہ مذہب صرف عقائد ہی نہیں سکھاتا بلکہ یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں چیزیں کھاؤ، فلاں نہ کھاؤ، شادی بیاہ میں اِن اِن امور کو ملحوظ رکھو، تمدّنی اور تجارتی تعلقات اِس اِس طرح قائم کرو اور یہ امر ہٹلر کی حدِ برداشت سے باہر ہے۔ وہ کہتا ہے صرف ایک قانون چلے گا دو نہیں چل سکتے اور چونکہ یہ اپنے مذہب کے حُکم کے ماتحت اس بات پر مجبور ہیں کہ اگر میرا حُکم اس کے احکام کے خلاف ہو تو اسے نہ مانیں۔ اس لئے اس بغاوت اور نافرمانی کی روح کو کُچل دینا ہی بہتر ہے۔

اب بتاؤ ایسی حکومت جہاں بھی قائم ہوگی وہاں اسلام اس کی زد میں آئے گا یا نہیں آئے گا۔ اسلام نے تو یہودیت سے بہت زیادہ اعمال کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ ہٹلر لا مذہب ہے۔ وہ مذہب کو مانتا ہے مگر وہ کہتا ہے مذہب کا صرف اتنا اختیار رہے کہ وہ کہے ایک خدا ہے یا دو خدا ہیں یا تین خدا ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی بات منوانے کا وہ قطعاً حق نہیں رکھتا۔ پس وہ لا مذہب نہیں بلکہ مذہب کا قائل ہے بلکہ ان لوگوں کا مخالف ہے جو لاَ مذہب ہیں اور وہ ان پر حملہ کرتا اور کہتا ہے کہ یہ لوگ جو لا مذہب ہیں اپنی قوم کے دُشمن ہیں کوئی نہ کوئی مذہب ضرور ہونا چاہئے کیونکہ مذہب اتحاد پیدا کرتا ہے لیکن مذہب کا دخل صرف یہیں تک ہے کہ وہ انسانوں کو بتا دے کہ وہ کیا عقائد رکھیں۔ انسانی زندگی کے متعلق قواعد بنانا اس کا کام نہیں یہ حکومت کا کام ہے۔ غرض ہٹلر کے نزدیک ایسے خدا کو نہ صرف برداشت کیا جا سکتا ہے بلکہ اس سے فائدہ بھی اُٹھایا جا سکتا ہے جو آسمان پر بیٹھا رہے اور آسمان تک ہی اس کا کام محدود رہے۔ زمین سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ زمین سے صرف ہٹلر کا ہی تعلق ہونا چاہئے۔ اِس عقیدہ کی موجودگی میں جو قوم بھی اس کے ماتحت رہے گی اگر وہ مذہبی احکام کی پیرو ہوگی تو وہ کبھی چین اور امن سے زندگی بسر نہیں کر سکے گی اور اسلام تو یقیناً ایسی تعلیم سے ٹکراتا ہے اور یہی ہٹلر کے یہودیوں سے ٹکراؤ کی وجہ ہے۔ یہودی جرمنی میں پچاس ساٹھ لاکھ ہیں اور سارے مُلک کی آبادی آٹھ کروڑ ہے۔ گویا جرمنی کی آبادی کا آٹھ فیصدی حصّہ یہودی ہیں۔ مگر وہ چونکہ اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں اس لئے ہٹلر کو بُرا محسوس ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے ان یہودیوں کو میری تائید

کرنی چاہیئے۔ یہ کیا کہ موسیٰؑ جو آج سے دو تین ہزار سال پہلے ہؤا ہے اُس کی باتیں مانی جائیں۔ اس کے بعد ہم روس کو لیتے ہیں، روس میں مذہب ہے ہی نہیں۔ دہریت ہی دہریت ہے اور اس دہریت کو پھیلانے کے لئے وہ پورا زور لگا رہا ہے گو مُنہ سے وہ انصاف کا دعویٰ کرتا ہے مگر یہ دعویٰ محض دھوکا ہے۔ چنانچہ روسی حکومت کہتی ہے کہ انسانی فکر میں آزادی ہونی چاہیئے اور کسی سے جبراً کوئی عقیدہ نہیں منوانا چاہیئے اور اس اصل کی تشریح وہ یہ کرتے ہیں کہ ماں باپ کو کوئی حق نہیں کہ بچہ کو اپنے مذہب کی تعلیم دیں بچہ جب جوان ہو جائے وہ جو مذہب چاہے قبول کر لے۔ نہ حکومت اُسے کوئی مذہب سکھائے اور نہ ماں باپ۔ اب بظاہر یہ تعلیم منصفانہ معلوم ہوتی ہے لیکن ادنیٰ فکر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ محض دھوکا ہے کیونکہ مذہب تو ایک مثبت بات ہے اور سکھانے سے ہی آ سکتی ہے لیکن لامذہبیت اور اور دہریت ایک منفی چیز کا نام ہے جسے خدا کا علم نہ دیا جائے وہ خالی الذہن نہیں ہوگا بلکہ وہ دہریہ ہوگا کیونکہ جسے خدا تعالیٰ کا علم نہ ہو اُسی کو دہریہ کہتے ہیں اور وہی لامذہب کہلاتا ہے۔ غرض یہ صاف بات ہے کہ مذہب تو سکھانے سے ہی آئے گا بغیر سکھائے مذہب کس طرح آ سکتا ہے؟ مگر وہ کہتے ہیں نہ ہم مذہب کی تعلیم دیتے ہیں نہ تم مذہب کی تعلیم دو اور اسے خود بخود جو جی چاہے سیکھنے دو۔ اب جبکہ اُسے کوئی سکھانے والا ہی نہیں ہوگا تو وہ سیکھے گا کیا؟ دہریہ نے بھلا کسی کو کیا سکھانا ہے۔ وہ تو نفی کا قائل ہے اور نفی کا قائل دوسرے کو کیا سکھا سکتا ہے۔ جو شخص کسی چیز کے متعلق کہتا ہے کہ ''ہے'' وہی اس چیز کے متعلق دلائل بھی دیا کرتا ہے مگر جو کہے کہ کچھ نہیں اُس نے دوسروں کو سکھانا ہی کیا ہے اور اسے ضرورت ہی کیا ہے کہ تعلیم دے مگر وہ اپنی طرف سے بڑے منصف مزاج بنتے ہیں اور کہتے ہیں نہ تم بچوں کو کچھ سکھاؤ اور نہ ہم سکھاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات صاف ہے کہ خدا ہے کا پتہ تو بچے کو اُسی وقت لگے گا جب اُسے بتایا جائے گا کہ خدا ہے مگر خُدا نہیں، سکھانے کی ضرورت نہیں جب کان میں خدا ہے کی آواز نہ پڑے گی تو ذہن خود بخود خُدا نہیں کا سبق سیکھ لے گا۔

پھر ہمارے مبلّغ وہاں جا چکے ہیں اور ان کا عملی تجربہ حکومت روس کے متعلق جو کچھ ہے وہ بھی نہایت ہی تلخ ہے۔ مولوی ظہور حسین صاحب جب وہاں تبلیغ کے لئے گئے تو حکومتِ روس انہیں سات سات دن کا فاقہ دیتی اور کہتی کھانا ہے تو سؤر کا گوشت کھاؤ ورنہ ہم تمہیں کچھ نہیں

دیں گے۔ پھر وہاں سرکاری طور پر تمام لوگوں کو اس قسم کے تھیٹر دکھائے جاتے ہیں جن میں مذہب پر تمسخر اُڑایا جاتا اور اس کی نفرت دلوں میں پیدا کی جاتی ہے لینن جو اس دہریت اور الحاد کا بانی ہے اس کے نام پر تھیٹر میں ایک شخص جج بنتا ہے اور اس کے سامنے بطور ملزم ایک شخص پیش ہوتا ہے اور اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تمام مُلک میں فساد اور لڑائیاں کراتا پھرتا ہے۔ مہربانی کر کے آپ اس کا فیصلہ کریں۔ وہ پوچھتا ہے یہ کون شخص ہے؟ تو آگے سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ خدا ہے جو سارے جہان کے فسادات کا ذمّہ دار ہے۔ اس کے بعد خدا پر مقدمہ چلتا ہے اور آخر لینن فیصلہ کرتا ہے کہ خدا کو (نعوذ باللہ) پھانسی دے دیا جائے کیونکہ دُنیا میں جتنے فساد ہیں سب اسی کی وجہ سے ہیں۔ چنانچہ سب کے سامنے اس مردود کو جو اپنے آپ کو خدا کہتا ہے پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے (تمثیل کے طور پر نہ کہ حقیقتاً) اب بتاؤ جن قوموں کی یہ حالت ہو اور جو مذہب کی اس قدر دُشمن ہوں ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بیشک آ جائیں ہمیں کوئی پرواہ نہیں کہاں کی دانشمندی ہے اور کیا کوئی بھی عقلمند اسے درست تسلیم کر سکتا ہے؟ اس اعتراض کی تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی کہہ دے میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بیشک تبلیغی آزادی ایک بہت اہم چیز ہے لیکن آپ یہ کیوں خیال کرتے ہیں کہ اگر کسی اور حکومت نے مذہبی تبلیغ پر پابندیاں عائد کر دیں تو خدا تعالیٰ کا ہاتھ اسے سزا نہیں دے گا۔ ہمارا اللہ حافظ ہے۔ روس آ جائے یا جرمنی جو بھی ہمارے مذہب میں مداخلت کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے مار ڈالے گا۔ پس آپ نے کیوں توکّل چھوڑا اور کیوں یہ سمجھ لیا کہ انگریزی حکومت کے جانے سے اسلام اور احمدیت کو بھی ضُعف پہنچے گا۔ ہمارا خدا قادر ہے اور وہ ہر حالت میں امن قائم کر سکتا ہے۔

یہ اعتراض بظاہر معقول نظر آتا ہے لیکن سُنت اللہ کے یہ بھی بالکل خلاف ہے۔ سنتُ اللہ ہمیشہ دو طرح ظاہر ہوتی ہے ایک تو اس طرح کہ جس قوم کی مدد اور نصرت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہو اُس پر کوئی ایسی آفت آ پڑے جن کا علاج انسانی ہاتھوں میں نہ ہو ایسی حالت میں سنتُ اللہ یہی ہے کہ وہ خارق عادت طور پر اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے مثلاً بالکل ممکن ہے کہ کسی جگہ طاعون پڑے اور مخالفوں پر تباہی آ جائے لیکن مومن محفوظ رہیں یا زلزلہ سے دُشمن تباہ ہو جائیں مگر مومن محفوظ رہیں لیکن بعض مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے دور کرنے میں انسان کا

بھی دخل ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں سنتُ اللہ کہتی ہے کہ پہلے خود قُربانی کرو اور اپنی قُربانی کو انتہا تک پہنچا دو پھر مَیں تمہاری مدد کو آؤں گا۔ پس اگر تدبیر کا ساتھ تعلق ہو تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اسی وقت آیا کرتی ہے جب انسان تدبیر اختیار کر لیتا ہے۔ زیر بحث امر پہلی قسم میں سے نہیں بلکہ دوسری قسم میں سے ہے۔ کیونکہ یہ لڑائی ہے کوئی آسمانی آگ نہیں جو مومنوں سے ذرا پرے ہٹ کر جا گرے گی۔ لڑائی ہمیشہ ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ مضبوط اور طاقتور لوگ تو ہاتھ سے مدد کرتے ہی ہیں اگر کوئی بیمار ہے تو وہ اس رنگ میں مدد کر سکتا ہے کہ اَور لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا کرے یا علمی کام کر سکتا ہے۔ اِسی طرح امیر لوگ جنگ میں روپیہ سے مدد دے سکتے ہیں اور جو غریب ہیں وہ محنت اور جفاکشی کے کام کر سکتے ہیں۔ بہرحال لڑائی ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ تدبیر کا تعلق ہے چاہے وہ تدابیر مکمل ہوں یا نامکمل۔ پس ایسے معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد اسی وقت نازل ہؤا کرتی ہے جب انسان تدابیر سے کام لے اور اگر وہ تدابیر والے کاموں میں تدبیر سے کام نہ لے اور محض توکّل کر کے بیٹھ رہے تو سُنت اللہ نہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد نازل نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ہے کہ ایسے جھوٹے متوکّل پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے ہم نے تمہیں موقع دیا تھا کہ تم تدبیر سے کام لو مگر تم نے تدابیر سے کام لینے کی بجائے جھوٹا توکّل کیا جس کی سزا یہ ہے کہ اب تمہیں الٰہی مدد نہیں پہنچے گی بلکہ تم ذلّت کے عذاب میں مُبتلا کئے جاؤ گے۔ پس اسی سُنت اللہ کے ماتحت ہمارا ابھی ایسے موقع پر توکّل کر کے بیٹھ رہنا اور تدابیر سے کام نہ لینا کسی صورت میں درست نہیں ہوسکتا۔

پھر تعجب ہے ہم دین کے معاملہ میں تو توکّل ظاہر کرتے ہیں لیکن دُنیا کے معاملہ میں ہم کبھی توکّل نہیں کرتے۔ کبھی کسی کا عزیز بیمار ہو جائے تو تم یہ نہیں دیکھو گے کہ وہ خاموش ہو کر گھر میں بیٹھ رہے اور کہے مَیں اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتا ہوں وہ خود کبھی گھر میں نہیں بیٹھے گا بلکہ وہ فوراً دوائی لینے کے لئے کسی ہسپتال کی طرف دوڑے گا۔ وہ کبھی نہیں کہے گا کہ بھلا ملیریا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ یا ہیضہ مجھے کیا کر سکتا ہے؟ یا طاعون مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے؟ وہ فوراً علاج کرے گا اور ڈاکٹروں کی فیسوں پر روپیہ بھی خرچ کرے گا اور اس معاملہ میں توکّل سے کام لینے کی بجائے تدبیر سے کام لے گا۔ اِسی طرح تم کبھی نہیں دیکھو گے کہ کوئی لڑکا سکول میں داخل ہو تو نہ

کتابیں خریدے ، نہ پڑھائی کرے اور یہی کہتا رہے کہ اللہ مجھے پاس کر دے گا۔ مَیں اس پر سچے طور پر توکّل کرتا ہوں یا کسی کو اپنے لئے مکان کی ضرورت ہو تو نہ اینٹیں مہیّا کرے ، نہ چُونا خریدے ، نہ گارا بنوائے ، نہ مزدور اور مستری بلوائے اور کہے کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ مَیں یہ تردّد کروں ۔ اللہ تعالیٰ خود مکان بنا دے گا یا مثلاً کھانے کی ضرورت ہو تو بیوی کھانا تیار نہ کرے اور شام کو جب خاوند گھر آئے اور پوچھے کہ کھانا تیار ہے تو وہ کہے کہ مجھے کھانا تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے ذمّہ ہر جاندار کو روزی پہنچانا ہے ۔ وہ خود ہمیں کھانا پہنچائے گا ۔ اب کیا تم سمجھتے ہو کہ خاوند اُس کی بات سُن کر یہ کہے گا کہ میری بیوی نے بڑا توکّل کیا ۔ وہ یقیناً اس پر ناراضگی کا اظہار کرے گا بلکہ ایک غیر تعلیم یافتہ گنوار تو کچھ تعجب نہیں کہ دو چار سونٹیاں بھی رسید کر دے مگر اس قسم کا توکّل ہم کو دین کے معاملہ میں فوراً یاد آ جاتا ہے ۔ ہم اپنی روٹی کے لئے توکل نہیں کرتے ، ہم اپنے مکان کے لئے توکّل نہیں کرتے ، ہم اپنی ملازمت کے لئے توکّل نہیں کرتے ، ہم اپنے دوسرے کاموں کے لئے توکّل نہیں کرتے بلکہ تمام وہ تدابیر اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس عالَمِ اسباب میں مقرر فرمائی ہیں ۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ موت اور حیات میرے اختیار میں ہے ، ذلّت اور عزت میرے ہاتھ میں ہے ، رزق کی فراخی اور تنگی میرے ہاتھ میں ہے مگر ہم موت سے بچنے کی بھی کوشش کرتے ہیں ، ہم حیات کے پیدا کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں ، ہم ذلّت سے محفوظ رہنے کی بھی کوشش کرتے ہیں ، ہم عزت اور ترقی کے حصول کے لئے بھی کوشش کرتے ہیں ، ہم رزق بڑھانے اور آمدنی کو وسیع کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں ۔ گویا ہم وہ ساری تدابیر اختیار کرتے ہیں جن تدابیر کا اختیار کرنا دنیوی کاموں کی سرانجام دہی کے لئے ضروری ہے مگر جب دین کا سوال آ جاتا ہے تو ہم نہایت بے تکلّفی سے کہہ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کرے گا ہمیں اس میں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟

مَیں ایک دفعہ لاہور آ رہا تھا یہ حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ کا واقعہ ہے جس کمرہ میں مَیں سوار ہؤا اُسی کمرہ میں ایک مشہور پیر صاحب بھی سوار ہو گئے ۔ انہیں مجھ سے کچھ کام تھا اور وہ مجھ سے ایک معاملہ میں مدد لینا چاہتے تھے ۔ دورانِ گفتگو میں اُنہوں نے مجھے ممنون کرنے کے لئے ایک رومال نکالا جس میں کچھ میوہ بندھا ہؤا تھا اور رومال کھول کر میرے سامنے بچھا دیا

اور کہا کھائیے۔ وہ مجھ سے کسی احمدی کے پاس ایک معاملہ میں سفارش کرانا چاہتے تھے مگر اس سے پہلے وہ پیر صاحب یہ فتویٰ بھی شائع کر چکے تھے کہ احمدیوں سے ملنا جُلنا اور گفتگو کرنا بالکل حرام ہے اور اگر کوئی ان سے ملے جُلے یا گفتگو کرے یا ان کے جلسہ میں شریک ہو تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ جب سیالکوٹ تشریف لے گئے اور وہاں ایک جلسہ ہؤا جس میں آپ نے تقریر فرمائی تو راستہ میں بڑے بڑے مولوی ان پیر صاحب کے فتویٰ کے اشتہارات اُٹھائے لوگوں کو کہہ رہے تھے کہ جو مرزا صاحب کے لیکچر میں جائے گا اُس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، جو احمدیوں سے ملے گا اُس کی بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی، جو ان سے مصافحہ کرے گا اُس کی بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی اور جو اِن کے سلام کا جواب دے گا اُس کی بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی۔ مجھے یاد ہے جلسہ میں جب لوگ جاتے تو باہر بڑے بڑے مولوی کھڑے ہو کر لوگوں کو روکتے کہ اندر مت جانا ورنہ تمہارا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اِس پر کئی جوش میں آ جاتے اور کہتے نکاح کا کیا ہے نکاح تو سوا روپیہ دے کر پھر پڑھا لیا جائے گا۔ مرزا صاحب نے روز روز نہیں آنا ہے۔ اس لئے ہم ان کا لیکچر ضرور سُنیں گے اور یہ کہہ کر وہ جلسہ میں شامل ہو جاتے تو انہی پیر صاحب نے جن کا یہ فتویٰ تھا کہ احمدیوں سے ملنے اور باتیں کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے باوجود یہ معلوم ہونے کے کہ میں بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا لڑکا ہوں رومال بچھا کر میرے سامنے میوہ رکھ دیا اور کہا کہ کھائیے۔ مجھے اِس فتویٰ کی وجہ سے ان سے یوں بھی نفرت تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا سامان بھی پیدا کیا ہؤا تھا اور وہ یہ کہ اس روز مجھے کھانسی اور نزلہ کی شکایت تھی۔ میوہ میں کشمش بھی تھی جس کا کھانا نزلہ کی حالت میں نزلہ کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے اس لئے مَیں نے معذرت کی اور کہا کہ آپ مجھے معاف رکھیں مجھے نزلہ کی شکایت ہے۔ مَیں میوہ نہیں کھا سکتا۔ پیر صاحب فرمانے لگے کہ نہیں کچھ نہیں ہوتا آپ کھائیں تو سہی۔ مَیں نے پھر انکار کیا کہ مجھے اِس حالت میں ذرا سی بدپرہیزی سے بھی بہت تکلیف ہو جاتی ہے۔ اُس پر وہ کہنے لگے جی یہ تو باتیں ہی ہیں کرنا تو سب اللہ نے ہوتا ہے اور وہی ہوتا ہے جو اللہ کرتا ہے۔ مَیں نے کہا پیر صاحب آپ نے یہ بات بہت بعد میں بتائی اگر آپ لاہور میں ہی بتا دیتے تو آپ اور مَیں دونوں ایک نقصان سے بچ جاتے۔

کہنے لگے وہ کیا؟ مَیں نے کہا غلطی یہ ہوئی کہ آپ نے بھی ریل کا ٹکٹ لے لیا اور مَیں نے بھی۔ (وہ امرتسر آرہے تھے اور مَیں بٹالہ آرہا تھا۔) اگر اس مسئلہ کا پہلے علم ہوتا تو نہ ہم تانگے پر کرایہ خرچ کرتے نہ ریل کا ٹکٹ مول لیتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں پہنچانا ہی تھا تو وہ آپ کو امرتسر پہنچا دیتا اور مجھے قادیان پہنچا دیتا۔ ہمیں ٹکٹ پر روپیہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کہنے لگے تدبیر بھی تو ہوتی ہے۔ مَیں نے کہا بس اسی اسباب کی رعایت کی وجہ سے مجھے بھی میوہ کھانے میں عذر تھا تو جب انسان کا ذاتی سوال ہو اُس وقت اُسے ہزاروں قسم کی تدبیریں یاد آ جاتی ہیں مگر جب خدا تعالیٰ کے دین کا معاملہ ہو تو انسان نہایت بے تکلّفی سے کہہ دیتا ہے کہ مجھے تدبیر سے کام لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ خود کرے گا۔ اِس میں کوئی شُبہ نہیں کہ دین کا کام اللہ تعالیٰ نے ہی کرنا ہے اور ہمارے کام بھی دراصل وہی کرتا ہے ہم ہزاروں کام جو کرتے اور پھر کامیاب ہو جاتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا ہی نتیجہ ہے۔ ہماری کسی کوشش کا خالصتاً اس میں دخل نہیں ورنہ ہمیں ہر کام میں کامیابی ہو لیکن کامیابی ہر بات میں نہیں ہوتی۔ کسی بات میں ہو جاتی ہے اور کسی میں نہیں ہوتی۔ ہزاروں لڑکے محنت کر کے پاس ہو جاتے ہیں اور ہزاروں لڑکے محنت کرنے کے باوجود فیل ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں کوشش کرتے ہیں اور انہیں عزت مل جاتی ہے اور ہزاروں عزت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر وہ پہلے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتے ہیں۔ تو تمام کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے مگر اس میں بھی کوئی شُبہ نہیں کہ جہاں تدبیر کا تعلق ہو وہاں اگر مومن تدبیر نہیں کرتا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا نازل ہوتی ہے اور وہ اس کی گرفت اور عذاب میں آ جاتا ہے۔

دیکھو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک نہایت واضح مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی پیش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ کنعان کی سرزمین کا اسے مالک بنا دیا جائے گا جیسے ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں دُنیا کا حکمران اور بادشاہ بنائے گا مگر اس کا علاج اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جاؤ اور جنگ کرو۔ اس جنگ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے دے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو خدا تعالیٰ کا یہ حُکم سُنایا تو اُنہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ وعدہ ہے کہ وہ ہمیں کنعان کی سرزمین دے گا۔ وہ اپنے

وعدے کو آپ پورا کرے ہم اپنی جانوں کو کیوں ہلاکت میں ڈالیں؟ موسیٰ اور اس کا خدا دونوں جا کر دُشمنوں سے لڑیں اور جب فتح ہو جائے تو ہمیں آ کر بتا دیا جائے ہم کنعان کی سرزمین میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر جانتے ہو اس کا کیا نتیجہ ہؤا؟ باوجود وعدہ کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے وہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی اور ان پر ایسی ذلّت نازل کی کہ وہ تمام لوگ جنہوں نے یہ اعتراض کیا تھا ایک ایک کر کے جنگلوں میں بھٹک کر مَر گئے اور پھر ان کی نسلوں کے ذریعہ یہ الٰہی وعدہ پورا ہؤا۔ تو جہاں تدبیر کا تعلق ہو وہاں باوجود وعدے کے، باوجود الٰہی فیصلہ کے، باوجود الٰہی مشیّت اور ارادہ کے اس وقت تک خدا تعالیٰ کی نصرت نازل نہیں ہوتی جب تک تمام کی تمام قوم قُربانی کے لئے تیار نہیں ہو جاتی اور اگر کوئی قربانی کے لئے تیار نہ ہو تو باوجود وعدوں کے وہ انعامات اس قوم کو نہیں دیئے جاتے۔

اِسی طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب جنگ بدر کے لئے نکلے تو کُل تین سَو تیرہ صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے۔ وہ بھی ایسے جو فنونِ جنگ سے ناآشنا اور ساز و سامان سے تہی دست تھے۔ صحابہؓ کا پہلے یہ خیال تھا کہ ہماری ایک تجارتی قافلہ سے مُڈ بھیڑ ہو گی مگر خدا تعالیٰ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ تجارتی قافلہ سے نہیں بلکہ مکّہ کی مسلّح فوج سے مسلمانوں کا مقابلہ ہو گا۔ اُن سپاہیوں سے مقابلہ ہو گا جو آزمودہ کار ہیں اور ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ یہ چونکہ پہلی لڑائی تھی اِس لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا دیکھو خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ ہمارا مکّہ والوں سے مقابلہ ہو گا۔ اِس لئے مَیں تم سے مشورہ لینا چاہتا ہوں حالات ایسے ہیں کہ ہمیں بہت زیادہ خطرات کا اندیشہ ہے اِس لئے ضروری ہے کہ آپ لوگوں سے مشورہ لے لیا جائے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں مشورہ لینے کی یہ تحریک صحابہ کے ایمانوں کو ظاہر کرنے کے لئے ہی کی ہو۔ بہرحال جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات پیش کی تو یکے بعد دیگرے مہاجرین اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ ہم سے کیا مشورہ پوچھتے ہیں؟ آپ ہمیں حُکم دیجئے ہم لڑنے کے لئے تیار ہیں مگر جب ایک مہاجر اپنی رائے کا اظہار کر کے بیٹھ جاتا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرماتے اے لوگو!

مجھے مشورہ دو۔ اِس پر پھر کوئی اور مہاجر کھڑا ہوتا اور کہتا یَا رَسُوْلَ اللہ! مشورہ کیا پوچھتے ہیں ہمیں حُکم دیجئے ہم لڑنے کے لئے حاضر ہیں۔ جب وہ بیٹھ جاتا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر فرماتے۔اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔آخر جب بار بار رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس فقرہ کو دوہرایا تو انصار سمجھ گئے کہ شائد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ ہم اپنی رائے کا اظہار کریں۔ چنانچہ ایک انصاری کھڑا ہؤا اور اُس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! آپ کی مراد شاید ہم انصار سے ہے۔آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔میری مراد تمہی سے ہے۔اِس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! شاید آپ کا اشارہ اس معاہدہ کی طرف ہے جو ہم نے آپ کے مدینہ آنے پر کیا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ بات دراصل یہ تھی کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو انصار سے آپ کا یہ معاہدہ ہؤا تھا کہ اگر کوئی دُشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو لڑائی میں انصار مہاجرین کے ساتھ شریک ہوں گے لیکن اگر مدینہ سے باہر کسی دُشمن کا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقابلہ کرنا ہؤا تو انصار اس بات کے پابند نہیں ہوں گے کہ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں۔ چونکہ اس موقع پر مدینہ سے باہر جنگ ہو رہی تھی اس لئے آپ نے چاہا کہ انصار کو اُن کا معاہدہ یاد دلا دیا جائے اور پھر اس کے بعد وہ جو مشورہ چاہیں دیں۔ پس جب اُس انصاری نے کہا کہ یَا رَسُوْلَ اللہ! کیا آپ کی مراد اس معاہدہ سے ہے جو ہم نے آپ کے مدینہ آنے پر کیا تھا تو آپ نے فرمایا ہاں۔ وہ کہنے لگا یَا رَسُوْلَ اللہ! ہمیں اُس وقت آپ کی حیثیت کا علم نہیں تھا اور ہمیں معلوم نہیں تھا کہ آپ کس پائے کے انسان ہیں۔ اِس لئے ہم نے لاعلمی میں ایک ایسا معاہدہ کر لیا جس میں آپ کی شان اور بزرگی کو پوری طرح ملحوظ نہیں رکھا گیا مگر یَا رَسُوْلَ اللہ! اب تو ہم پر حقیقت کھل چُکی ہے اور اب ہم سمجھ چکے ہیں کہ ہم پر کیا ذمّہ داریاں عائد ہیں، سامنے سمندر تھا۔ (دو تین منزل کے فاصلہ پر یہ نہیں کہ نظر آتا تھا) اُس کی طرف اشارہ کر کے وہ کہنے لگا یَا رَسُوْلَ اللہ! اگر آپ حکم دیں کہ ہم اس بے کِنار سمندر میں اپنے گھوڑے ڈال دیں تو ہم بغیر ہچکچاہٹ اور بغیر ایک ذرّہ بھر تردّد کے اپنے گھوڑے اس سمندر میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔ پھر اس نے کہا۔ یَا رَسُوْلَ اللہ! اگر جنگ ہوئی تو ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا اور کوئی دُشمن اُس وقت تک آپ کے پاس نہیں پہنچ سکے گا جب تک وہ

ہماری لاشوں کو روندتا ہؤا نہ گزر رے۔[2] اب دیکھو اُنہوں نے یہ نہیں کہا کہ جب خدا کا ہم سے وعدہ ہے کہ وہ ہمیں فتح دے گا اور کفار پر ہمیں غلبہ عطا کرے گا تو ہماری جانوں کو کیوں خطرہ میں ڈالا جاتا ہے بلکہ اُنہوں نے ہر ممکن قُربانی کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ وہ اِس اعتراض کو جانتے تھے جو موسیٰ کی قوم نے کیا اور غالباً اس انصاری نے اس خیال سے کہ ممکن ہے ہم میں سے بھی بعض کمزور ایمان والے یہ سمجھیں کہ جب خدا کا ہم سے فتح کا وعدہ ہے تو ہم سے جانی قُربانی کا مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے واقعہ کو ہی دُہرایا اور کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! ہم موسیٰ کی قوم کی طرح نہیں جس نے حضرت موسیٰؑ سے کہہ دیا تھا کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔[3] جا تو اور تیرا خدا دُشمن سے لڑتے پھریں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں بلکہ یَا رَسُوْلَ اللہ! ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور بائیں بھی لڑیں گے، آپ کے آگے بھی لڑیں گے اور آپ کے پیچھے بھی لڑیں گے اور کسی دُشمن کو اس وقت تک آپ کے پاس پہنچنے نہیں دیں گے جب تک کہ وہ ہماری لاشوں کو روندتا ہؤا نہ گزر رے۔ اب صحابہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم کیوں لڑیں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس قسم کے وعدے تدبیرِ کامل کے بعد پورے ہؤا کرتے ہیں۔ پھر اُسی لڑائی میں باوجود کامیابی کے وعدے کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی اور اتنی دُعا کی کہ آخر آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوگئے کہ اے خدا! مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت اس وقت دُشمن کی ایک کثیر جماعت کے مقابلہ میں ہے۔ اے اللہ! اگر یہ لوگ بھی مارے گئے تو پھر دُنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو اُس وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دے رہے تھے اُنہوں نے جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ فقرہ سُنا تو انہیں چُبھا اور اُنہوں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! کیا خدا کا ہم سے یہ وعدہ نہیں کہ ہم فتح پائیں گے؟ آپ نے فرمایا بے شک خدا کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ہمیں فتح دے گا مگر خدا غنی بھی ہے اور بندے کا پھر بھی یہی کام ہے کہ وہ دُعا میں لگا رہے۔[4] پس باوجود کامیابی کے وعدہ کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تدبیریں بھی کیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعائیں بھی کیں اور اِس سوز، اِس درد اور اِس گھبراہٹ کے ساتھ کیں کہ آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ اے خدا! اگر آج تیری یہ جماعت ماری گئی تو فَلَنْ تُعْبَدَ

فِی الْاَرْضِ اَبَدًا ۔[5] زمین میں تیری کبھی پرستش نہیں ہوگی ۔تو کیا ہمارے ساتھ جو وعدے ہیں وہ ان وعدوں سے زیادہ اہم ہیں جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے گئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ انہی وعدوں کا یہ تسلسل ہے مگر ان وعدوں کے متعلق ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے بڑی بڑی قربانیاں کیں اُنہوں نے یہ نہیں کہا کہ مدینہ اگر ابوجہل کے قبضہ میں آ گیا تو پھر بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں ۔ اللہ ہماری حفاظت کرے گا۔ باقی رہا یہ سوال کہ مَیں نے کہا ہے اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں جو اسلام کی اشاعت کے منافی ہوں تو مَیں ایسے حالات میں موت کو زیادہ پسند کرتا ہوں ۔اس کے متعلق جو معترض کو شُبہ ہوا ہے تو شاید اُس کی یہ وجہ ہے کہ اس نے خیال کیا ہے کہ میرا اس سے یہ مطلب ہے کہ مَیں اس موقع پر خودکشی کرلوں گا اگر یہی شُبہ کی وجہ ہے تو یہ وسوسہ صرف معترض کی دماغی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہر شخص کے فقرہ کا مفہوم اس کے عقیدہ کے مطابق ہوتا ہے۔موت کے ایک معنے بے شک خودکشی کے ہوتے ہیں مگر جب ایک مسلمان کے نزدیک خودکشی کرنا بالکل ناجائز ہے تو جب وہ یہ کہے گا کہ مَیں فلاں بات سے موت زیادہ پسند کرتا ہوں تو لازماً اس موت کا خودکشی کے علاوہ کوئی اور مفہوم ہوگا اور اس کے معنے وہی لئے جائیں گے جو قائل کے نزدیک جائز اور درست ہوں گے۔

دوسرے معنے موت کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم ایسے حالات میں دُعا کریں گے کہ یا الٰہی ہمیں ماردے۔ مگر یہ بھی درست نہیں کیونکہ جس طرح خودکشی کرنا حرام ہے اُسی طرح اسلام میں موت کی دُعا کرنا بھی منع ہے۔

تیسرے معنے اِس قسم کے فقرے کے یہ ہو سکتے ہیں کہ ایسے معاملات کے پیدا ہونے پر ہم اپنے آپ کو موت کے خطرہ میں ڈال دیں گے اور یہی معنے اسلام میں جائز اور درست ہیں۔ پس اُس نوجوان کو کیوں یہ وہم پیدا ہوا کہ مَیں خودکشی کا ارادہ رکھتا ہوں یا ایسے حالات کے پیدا ہونے پر مَیں دُعا کروں گا کہ خدا مجھے مار ڈالے۔ مومن کا کام یہ ہے کہ جب اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں وہ عواقب کا لحاظ کئے بغیر مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے اور پھر خدا کا حکم چاہے تو اسے موت دے دے اور چاہے تو اسے فتح دے۔ بہرحال اپنی طرف سے وہ موت کے خطرہ

میں کُود پڑے۔ پس جب مَیں نے کہا کہ مَیں اپنے لئے اور اپنی جماعت کے دوستوں کے لئے ان حالات سے موت زیادہ پسند کرتا ہوں تو اس کے یہی معنے تھے کہ ہم اس وقت اپنے آپ کو اس مقام پر کھڑا کر دیں گے جس مقام پر کھڑا ہونا دُنیا کے نزدیک موت ہو اور وہ یقین کرے کہ اب ہم زندہ نہیں رہ سکتے لیکن یاد رکھو جب کوئی قوم موت کے لئے تیار ہو جاتی ہے تو وہی وقت ہوتا ہے جب موت اس پر حرام کر دی جاتی ہے۔ مَیں نے تو اس کی مثال بھی دی تھی اور کہا تھا کہ ایک قوم تھی جسے خدا نے کہا مُوتُوْا۔[6] یعنی مَر جاؤ اور جب وہ موت کے لئے تیار ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اُسے زندہ کر دیا۔ اس موت کے یہ معنے نہیں کہ ان لوگوں نے خودکشی کر لی تھی یا موت کے لئے اُنہوں نے دُعا مانگنی شروع کر دی تھی بلکہ یہ معنے ہیں کہ وہ نڈر ہو کر اور عواقب سے بے پرواہ ہو کر خدا تعالیٰ کے دین کی مدد اور دُشمن مقابلہ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اُنہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ہم مَر جائیں گے مگر خدا تعالیٰ کے دین کو زندہ کر کے رہیں گے اور دراصل یہی وہ وقت ہوتا ہے جب لولے، لنگڑے، بہرے کانے، چھوٹے بڑے اور مضبوط اور کمزور سب کا فرض ہوتا ہے کہ وہ مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ عام حالات میں صرف اتنا کافی ہوتا ہے کہ قوم کے مضبوط نوجوان حفاظت کے لئے آگے بڑھیں لیکن اگر ایسی قوم حکمران ہو جائے جو جبری طور پر دہریت اور کفر والحاد کو پھیلائے اور مذہب کی اشاعت پر پابندیاں عائد کر دے اور تبلیغ کو روک دے تو اس وقت ہر شخص کا خواہ وہ لولا ہے یا لنگڑا، اندھا ہے یا کانا، مضبوط ہے یا کمزور، بیمار ہے یا تندرست فرض ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو قُربان کر دے اور مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑا ہو۔ پھر اگر اس کے لئے موت مقدر ہے تو مَر جائے اور اگر فتح مقدر ہے تو فتح پا کر گھر لوٹے۔ مثلاً موجودہ جنگ ہی ہے اگر اس جنگ کے متعلق وہی حالات ظاہر ہوں جن کا مجھے خطرہ ہے تو ایسی صورت میں یہ کوئی سوال نہیں ہوگا کہ انگریز کیا کہتے ہیں؟ اگر انگریز ایسے دُشمنوں سے صلح بھی کر لیں تو مومنوں کا فرض ہوگا کہ وہ جنگ جاری رکھیں یا اس ملک کو چھوڑ دیں جس میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہوں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یقینی بات ہے کہ چونکہ احمدیت کی فتح کے متعلق خدا تعالیٰ کے وعدے ہیں اس لئے اگر قوم کی قوم تباہ اور ہلاک ہونے کے لئے تیار ہو جائے تو اس کے بعد خدا یہ ارادہ کرے گا کہ مَیں تم کو مَرنے نہیں دوں گا۔

موت تبھی آتی ہے جب خدا کسی کے لئے موت پسند کرتا ہے اور ہمارا خود اپنے لئے موت کو پسند کرنا تو موت کا نہیں بلکہ زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کا کلام بتاتا ہے کہ اگر تم اپنے لئے موت پسند کرو تو مَیں تمہارے لئے حیات پسند کروں گا اور اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ اگر اسلام پر کوئی ایسا نازک وقت آ جائے جب اس کی تبلیغ کو روک دیا جائے، اس کی اشاعت کو بند کر دیا جائے اور اس کو پھیلانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا جائے اور اسلام کی بجائے دہریت اور کفر و اِلحاد کو فروغ دیا جائے تو مَیں یقیناً اپنے لئے، اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لئے اور اپنی تمام جماعت کے افراد کے لئے موت زیادہ پسند کروں گا بلکہ مَیں اس سے بھی زیادہ الفاظ کہتا مگر شاید ان لوگوں کے نزدیک جن کے دلوں میں کامل ایمان نہیں وہ مبالغہ میں داخل سمجھے جائیں لیکن یاد رکھو ہمیشہ ایسے موقع پر ہی جب مومن اپنے لئے موت کا فیصلہ کر لیتے ہیں خدا تعالیٰ ان پر موت کو حرام کر دیتا ہے۔ افراد بے شک مارے جا سکتے ہیں، زید اور بکر بے شک ہلاک ہو سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم کبھی نہیں مَر سکتی۔ ایسی قوم کو خدا ہمیشہ زندہ کیا کرتا ہے اور اس کے دُشمن کو ہی مارا کرتا ہے۔''

(الفضل ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۹ء)

۱؎ الصحیح البخاری کتاب الجهاد و السیر باب من حَبَسَهُ العذر عن الغَزو

۲؎ السیرة الحلبیة جلد۲ صفحہ ۱۶۰ مطبوعہ ۱۹۳۵ء

۳؎ المائدہ: ۲۵

۴؎ مستدرک الحاکم کتاب معرفة الصحابة رضی اللہ عنهم باب مناقب مقداد بن عمر الکندی دارالکتب العلمیة بیروت لبنان الطبعة الاولیٰ ۱۹۹۰ء

۵؎ تفسیر طبری زیرآیت اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبکم فاستجابَ لکُمْ جز۱۳ صفحہ ۴۱۰ مطبوعہ ۲۰۰۰ء الناشر مؤسسة الرسالة

۶؎ البقرہ: ۲۴۴